جیت کر ہارنا کوئی کانگریس سے سیکھے

ہریانہ میں کانگریس کی جیت کو یقینی مانا جارہا تھا۔لیکن انتخابی نتائج نے سب کو چانکا دیا۔ ایگزٹ پول اور سیاسی پنڈتوں کے اندازے غلط ثابت ہوئے۔ بی جے پی 57 سال کا ریکارڈ توڑ کر تیسری مرتبہ حکومت بنانے جارہی ہے۔آپ ضرور جاننا چاہیں گے کہ یہ کیونکر ممکن ہوا۔ جبکہ ماحول کانگریس کے حق میں تھا۔ بی جے پی اپنے لوگ ٹکٹ نہ ملنے سے ناراض تھے ۔ اس کے امیدواروں کو گاؤں میں گھسنے نہیں دیا جارہا تھا۔ عوام میں عام طور پر بی جے پی سے ناراضگی تھی۔ 90 سیٹوں کے لئے کانگریس کا ٹکٹ مانگنے والوں کی تعداد بی جے پی سے چار گنا تھی۔کہا جاتا ہے کہ کانگریس نے تمام انتخابی حلقوں کا اپنے طور پر سروے کرایا تھا۔اس کے بعد اسکرینگ کمیٹی نے ہر سیٹ پر دو تین ممکنہ امیدواروں کے ناموں کی لسٹ ہائی کمان کو سونپی تھی۔ یہ ایکسر سائز اس وقت دھری رہ گئی جب شیلجا کماری نے 90 امیدواروں کی اپنی لسٹ سیدھے اعلیٰ کمان کو بھیج دی ۔ٹکٹ تقسیم میں بھوپیندر ہڈا کی رائے کو اہمت ملی۔ شیلجا کے صرف پانچ امیدواروں کو ٹکٹ ملا۔ان میں سے دو کانگریس کے موجودہ ممبر اسمبلی تھے۔ ہڈا خیمے کے 72 امیدواروں کو ٹکٹ ملا۔کانگریس نے 17 ہارے ہوئے ممبران اسمبلی کو ٹکٹ دیا۔ آدھے درجن کے قریب ایسے لوگوں کو ٹکٹ ملا جو کئی بار الیکشن ہار چکے ہیں۔ 29 موجودہ ممبران اسمبلی کو ٹکٹ ملا جن کا ٹریک ریکارڈ اچھا رہا۔

ڈاکٹر مظفر حسین غزالی

الیکشن کے دوران شیلجا کے سونیا گاندھی سے ملنے کو ان کی ناراضگی کے طور پر دیکھا گیا۔ بی جے پی کی جانب سے انہیں پارٹی میں شامل ہونے کی پیشکش کی گئی۔ بی جے پی نے اسے کانگریس کے دلت مخالف ہونے کے طور پر پیش کیا۔اس کا پیغام دلتوں میں بہت خراب گیا۔اس کی وجہ سے چندر شیکھر آزاد راون کو دلت ووٹ کاٹنے کا موقع مل گیا۔ دوسری طرف کانگریسی اپنی جیت دیکھ کر حواس باختہ ہو رہے تھے۔سب کو وزیر اعلیٰ کی کرسی دکھائی دے رہی تھی۔اس کی وجہ سے وہ چھوٹی پارٹیوں سے تال میل نہیں بیٹھا پائے۔اس کے برعکس بی جے پی نے دوسری پارٹیوں سے آئے نیتاؤں کو ٹکٹ دیا۔ساتھ ہی بہ اثر لیڈران کے بچوں کو میدان میں اتارا۔ ممبران پارلیمنٹ، مرکزی وزراء اور کئی وزیر اعلیٰ کو الیکشن جتانے کے لئے لگایا۔ وزیر اعظم نریندر مودی، وزیر داخلہ امت شاہ، جے پی نڈا اور بی جے پی کے دیگر لیڈران نے ریاست میں 150 ریلیاں کیں۔اس کے مقابلہ کانگریس صرف 70 میٹنگیں ہی کر پائی۔ پھر الیکشن کے دوران راہل گاندھی کے ایک بیان کو سکھ مخالف بتا کر بی جے پی سے جڑے سکھوں سے احتجاج کرایا گیا۔کانگریس اپنے سکھ کارکنوں کے ذریعہ اس کی کاٹ نہیں کر پائی۔ بی جے پی نے سمجھ لیا تھا کہ منوہر لال کھٹر کو سامنے رکھنے سے نقصان ہو سکتا ہے۔اس لئے انہیں پبلک میٹنگوں اور پوسٹر بینر سے دور رکھا گیا لیکن وہ لگاتار کارنر میٹنگیں کرتے رہے۔

ایک وقت ایسا بھی آیا جب ایسا محسوس جیسے بی جے پی اور ہڈا کے درمیان میچ فکس ہوا ہے۔ کیونکہ بی جے پی نے اپنے کئی امیدواروں کے نام واپس کرائے۔ ہڈا نے بھی کئی جگہ کمزور امیدواروں کو ٹکٹ دیا۔مگر کانگریس اعلیٰ کمان نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ راہل گاندھی اپنی میٹنگوں میں ہریانہ کی 36 برادریوں کی حصہ داری کا ذکر کر رہے تھے۔لیکن زمین پر الیکشن جاٹ بنام آل ہو رہا تھا۔کانگریس دوسری برادریوں کو سادھنے میں ناکام رہی۔ ہڈا کے قریبیوں نے دوسرے طبقات کو کانگریس سے دور کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔وہ ہڈا کو وزیر اعلیٰ مان کر چل رہے تھے۔انہوں نے یہ تاثر دیا کہ اب کام کے لئے جاٹوں کے پاس ہی آنا پڑے گا۔جبکہ بی جے پی او بی سی اور دلت برادریوں کو سادھنے میں لگی تھی۔ اس کی وجہ سے کسان، پہلوان اور جوان کا مدعا جاٹ اور سرداروں تک محدود ہو کر رہ گیا۔ دوسری برادریاں اس کے ساتھ کھڑی نہیں ہوئیں۔ جبکہ زراعت سے یہاں کے گوجر، دلت، او بی سی اور برہمن بھی جڑے ہیں۔ نتیجہ کے طور پر بی جے پی نے اپنی 40 میں سے 26 سیٹیں رٹین کیں یعنی 3 میں سے 2 سیٹیں جیت لیں۔ دوسری طرف کانگریس نے 19 نئی سیٹیں تو جیتی لیکن 50 فیصد پرانی سیٹیں رٹین نہیں کرسکی۔دوسرے الفاظ میں کہیں تو نئی سیٹیں جیتنے کا بھی اسے کوئی فائدہ نہیں ملا۔

ہریانہ میں اس مرتبہ 450 آزاد امیدوار میدان میں تھے۔ان میں سے 150 کی بی جے پی نے پوری مدد کی۔ بھاجپا نے الیکشن سے چھ ماہ قبل منوہر لال کھٹر کی جگہ نائب سنگھ سینی کو وزیر اعلیٰ بنایا۔اس کا بھی اسے فائدہ ملا۔ پھر نائب سنگھ سینی کو بی جے پی نے الیکشن لڑنے کے لئے لاڈوا بھیجا۔ یہاں سے کانگریس کے میوا سنگھ ایم ایل اے تھے۔سینی کے لاڈوا جانے سے او بی سی برادریوں میں اچھا پیغام گیا۔ جے جے پی اور دوسری پارٹیوں سے آئے لیڈران کی وجہ سے بی جے پی جاٹوں کے گڑھ میں بھی 7 نئی سیٹیں جیتنے میں کامیاب ہوگئی۔ ہریانہ کو ثقافتی و سیاسی بنیاد پر 7 زون میں بانٹا جاتا ہے۔ان 7 میں سے چار میں بی جے پی نے 2019 کے مقابلہ اپنی سیٹوں میں اضافہ کیا ہے۔ جی ٹی روڈ بیلٹ میں اسے 2019 میں 12 سیٹیں ملی تھیں اس مرتبہ 14 پر کامیابی ملی ہے۔ پنجاب سے لگے باگر بیلٹ میں 2 سیٹیں، دیشوال بیلٹ جسے جاٹ لینڈ بھی کہتے ہیں یہاں بھی اسے 2 سیٹ کا فائدہ ہوا ہے۔اہیر وال بیلٹ جہاں اہیروں کی اکثریت ہے وہاں سے بھی بھاجپا 2 نئی سیٹیں جیتنے میں کامیاب رہی ہے۔

بی جے پی کی کامیابی میں الیکشن کمیشن کا رول بھی اہم رہا ہے۔ ہمنتا بسوا سرما اور یوگی ادتیہ ناتھ کے نفرتی و مذہبی پولرائزیشن کے بیانوں پر کوئی نوٹس نہیں لیا۔ای وی ایم مشینوں سے چھیڑ چھاڑ کی کانگریس کے ذریعہ کی گئی شکایت پر بھی کوئی دھیان نہیں دیا گیا۔ ووٹوں کی گنتی کے دوران ڈیٹا کے دیر سے اپ ڈیٹ ہونے کا معاملہ بھی سامنے آیا۔جس پر الیکشن کمیشن نے آنکھیں موند لیں۔ پانچویں راونڈ سے پہلے تک کانگریس کافی آگے چل رہی تھی۔ پانچویں راونڈ میں وہ ڈگمگائی تو یہ پیغام دیا جانے لگا کہ بی جے پی واپسی کر رہی ہے۔ یہ پیغام الیکشن کمشن سے بھی آیا۔اس کا افسران اور انتظامیہ کو صاف اشارہ ہوتا ہے کہ جہاں مارجن کم ہے وہاں مینجمنٹ کیا جائے۔ پوری معلومات آنے کے بعد معلوم ہوگا کہ کتنی سیٹیں دو ہزار یا اس سے کم مارجن سے جیتی گئیں ہیں۔

اختلافات اور رشہ کشی بی جے پی درمیان بھی کم نہیں تھی مگر اس نے اپنے مائکرو مینجمنٹ کے ذریعہ اسے ڈھک لیا اور پارٹی کو جیت دلا دی۔ لیکن کانگریسیوں نے اپنے اختلافات کی وجہ سے ایک دوسرے کو ہرانے کا کام کیا۔ ایسا لگا ہریانہ میں کھرگے راہل کی نہیں بھوپیندر سنگھ ہڈا کی کانگریس الیکشن لڑ رہی ہے۔ اشوک تنور کے آخری وقت میں آنے کا بھی کانگریس کو نقصان ہوا۔اروند کجریوال کا کہنا صحیح ہے کہ ہر الیکشن مشکل ہوتا ہے۔الیکشن کو ہلکے میں نہیں لینا چاہئے۔ الیکشن جیتنے سے پہلے وزیر اعلیٰ کا خواب دیکھنا یا اپنے رویہ میں تبدیلی سے صرف نقصان ہوتا ہے۔ ہریانہ کا الیکشن حد درجہ خود اعتمادی اور کانگریس کو خود کانگریس کے ذریعہ ہرانے کی بہترین مثال ہے۔ کاش کانگریس اس سے کچھ سبق لے۔

اداریہ

نوجوان پیڑی سوشل میڈیا کی گرفت میں!!!

اس میں کوئی دو رائے نہیں ہے کہ ہر چیز کے دو پہلو ہوتے ہیں اور عام طور پر ایک پہلو مثبت ہوتا ہے اور دوسرے میں کچھ منفی پہلو شامل ہوتے ہیں۔اس لئے ترقی کے ساتھ بھی یہ دونوں پہلو جڑے ہوئے ہیں۔موجودہ دور میں سوشل میڈیا کی اہمیت اور ضرورت سے کوئی منکر نہیں ہوسکتا لیکن اس کے بھی کچھ منفی پہلو ہیں۔ای میل، وہاٹس ایپ، ٹیلیگرام، فیس بک، انسٹا گرام، یو ٹیوب اور دیگر سوشل میڈیا کے ذرائع اور ان سب ذرائع کے استعمال سے کوئی بھی شخص یا ادارہ اپنی بات کو جلدی، آسان اور موثر طریقے سے دوسرے کے پاس پہنچا سکتا ہے۔ان ذرائع کے جہاں زبردست فائدے ہیں وہیں اگر کوئی ان کا استعمال کسی غلط مقصد کے لئے کرے تو وہ بھی انتہائی خطرناک ہیں۔آج سوشل میڈیا پر پیغامات کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے اس میں سیاسی، سماجی، مذہبی الغرض ہر نوعیت کے پیغامات ایک دوسرے کو موصول ہوتے ہیں جن میں سے لوگ کچھ کو دیکھتے ہیں۔ کچھ کو پڑھتے ہیں اور ان میں سے کچھ کو آگے فارورڈ کرنا اپنی اہم ذمہ داریوں میں سے ایک تصور کرتے ہیں۔ کچھ پیغامات بغیر دیکھے اور پڑھے آگے فارورڈ کر دیتے ہیں۔ یہ الگ پہلو ہے کہ اس میں کچھ عریاں تصاویر، ویڈیو وغیرہ خوب سرکیولیٹ ہوتے ہیں اور سماج میں ان سب چیزوں پر سے پردہ اٹھ رہا ہے جن کو حقیقت میں پردہ کی ضرورت تھی۔ اس کے دو پہلو انتہائی خطرناک شکل اختیار کرتے جارہے ہیں ایک تو سماج میں ایک دوسرے سے ملنے کے لئے وقت ختم ہوتا جارہا ہے۔اس کی شکل اس حد تک خراب ہوگئی ہے کہ کھانے کی میز پر ایک ساتھ بیٹھے ہونے کے باوجود میز پر بیٹھا ہر فرد اپنی سوشل میڈیا کی دنیا میں مست ہوتا ہے اور اس کو اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ وہ کس کے ساتھ بیٹھا ہے اور کس مقصد کے لئے بیٹھا ہے۔دوسرے الفاظ میں اگر ہم نے اس ذرائع کا صحیح اور دانشمندی سے استعمال نہیں کیا تو پورے سماج کا تانا بانا بکھر سکتا ہے۔دوسرا بڑا نقصان یہ ہے کہ ہم ان ذرائع کا استعمال کرتے وقت یہ بالکل بھول جاتے ہیں کہ ہماری کہی ہوئی بات کے کیا اثرات مرتب ہوں گے۔ہماری زبان انتہائی خراب ہو جاتی ہے اور اکثر ہماری پوسٹ یا گفتگو سے لوگوں کی دل آزاری ہوجاتی ہے اور یہ دل آزاری دشمنی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ ہم سوشل میڈیا کا انتہائی دانشمندی سے استعمال کریں اور کوشش کریں کہ اس کا استعمال ضرورت کے لئے ہی ہو اور زیادہ سے زیادہ وقت اپنے سماجی حلقے میں گزاریں۔ہم نے اگر ایسا نہیں کیا تو ہماری سماجی زندگی تو متاثر ہوگی ہی لیکن اس کے ساتھ ساتھ سماج کے کئی اہم ستون گر جائیں گے اور ترقی کے منفی اثرات مثبت پہلوؤں پر حاوی ہوجائیں گے۔

مسلم قیادت کے تعاقب میں

ش شکیل

وقتی بیداری اس لئے ہے کہ مسلم قیادت کا فقدان ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے مذہبی اور سیاسی رہنما اپنے ہی سماج کے مختلف طبقات کی معاشی اور سیاسی ضروریات اور حالات کو جامع انداز میں پیش کرنے، یا شاید سمجھنے ہی میں ناکام رہے ہیں۔اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ مسلم رہنماؤں کا اپنے سماج سے اس طرح کا ربط و ضبط ہے ہی نہیں جیسا کہ ہونا چاہیے تھا۔انہیں اپنے سماج کے مسائل کا ادراک اعداد و شمار کی روشنی میں نہیں ہے اور نہ کسی مذہبی رہنما نے اس کو سمجھنے کی کوشش کی ہے۔اس لیے بس کئی دہائیوں سے جن مسائل پر بولتے آ رہے ہیں بس وہی بولتے رہتے ہیں۔مسلم عوام بھی بس اسی پر اپنا اظہار کر کے بیٹھ جاتی ہے۔دودھ میں آئے اُبال کی طرح اُبلتی ہے اور بیٹھ جاتی ہے۔دوسری طرف مسلم رہنماؤں نے مسلمانوں کے مسائل کو غلط انداز میں پیش کیا ہے۔ہماری قوم کے افراد میں ہی انتشار نہیں ہے بلکہ اس کی قیادت بھی منتشر اور کنفیوز سی ہے کہ وہ کیا کرے اور کس طرح اس انتشار پہ قابو پائے، ایک طرف مسائل ہیں کہ ہر روز بڑھتے ہی جارہے ہیں دوسری طرف جو حل آزما رہے ہیں وہ کارگر نہیں ہو رہے، قائدانہ صفوں میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے مسلم قیادت کی کوششیں ایک جگہ نہ ہو کر مختلف جگہوں پہ بکھر کر بے اثر ہوتی جارہی ہیں، ان کے پاس اپنی قوم کی ترقی کے لئے کوئی واضح لائحہ عمل نہیں وہ عجیب سی گومگو کی کیفیت کا شکار ہیں ایک طرف عوام کا ردعمل ہے تو دوسری طرف حکومت کا رویہ ایسے میں وہ کبھی اس انتہا پہ ہوتے ہیں تو کبھی اُس انتہا پہ اگر مسلم قیادت یہ سمجھتی ہے کہ وہ اس طرح سے اس مشکل سے باہر نکل جائے گی تو یہ درحقیقت خوش فہمی ہی ہوسکتی ہے کیوں کہ کوشش کرنا جتنا اہم ہے اس سے زیادہ یہ اہم ہے کہ اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ کوشش صحیح سمت میں یکسوئی و استقلال کے ساتھ کی جارہی ہے یا نہیں، کبھی اس طرف کبھی اس طرف کی انتہائیں مسلم قوم کی ترقی میں کوئی کردار نہیں ادا کرنے والی بلکہ اس سے انارکیت اور مزید تنزلی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ظاہر کیا جارہا ہے ایسے میں عوام کی ایک بڑی تعداد احساس مظلومیت کے ایسے بھنور میں اترتی جارہی ہے جو اس کی صلاحیت اور اعتماد کو گھن لگا رہی ہے، اس حالت میں جتنا وقت گذرتا جائے گا فقط سنگینی میں ہی اضافہ ہوگا۔وقتی بیداری کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے۔شاید مسلمانوں کا یہ ڈر و خوف ہے' یا پھر مسلمانوں کی یہ ذہنیت بن گئی ہے یا بنادی گئی ہے کہ انڈیا ایک سیکولر ملک ہے۔چونکہ بٹوارہ مذہب کی بنیاد پر ہوا تھا اس لیے اب ہم مسلمانوں کو انڈیا میں رہنا ہے۔دوسری طرف یہ احساس اچھی طرح سے بیٹھ گیا ہے کہ انھیں ہندوؤں کے ساتھ رہنا ہے اور انھیں مختلف سیاسی پارٹیوں کے ساتھ رہنا ہے۔اگر ایسا نہیں کیا گیا اور مسلمان اپنی آبادی کے گمان پر ایک اور مسلم پارٹی بناتے ہیں تو اس کا حشر پھر سے ایک اور پاکستان ہوسکتا ہے اور شاید یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے وقتی طور پر بیدار ہو کر خاموش ہوجاتے ہیں۔

مسلمانوں نے دلی ہم آہنگی کے ساتھ جمہوریت کے عمل کو قبول کیا، اس امید پر کہ یہ ان کے اپنے دعوؤں اور خواہشات کے لیے ایک اچھا پلیٹ فارم فراہم کرے گا۔لیکن افسوسناک حقیقت یہ ہے کہ جب مسلم معاشرہ اپنے دعوؤں اور خواہشات پیش کرتا ہے تو ان کو نہ صرف نظر انداز کیا جاتا ہے بلکہ یکسر مسترد کر دیا جاتا ہے۔ان دعوؤں کو تخریبی قرار دیا جاتا ہے، انہیں حقارت اور نفرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے تو ایسی آوازوں کو موافقت، ہم آہنگی برقرار رکھنے، یا رواداری کا مظاہرہ کرنے کی خواہش کی کمی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔جس سے مسلمانوں کو تنہائی کے مرض لاحق ہوگیا ہے۔مسلمانوں کو تنہائی کے مرض سے آزاد ہو کر قومی مسائل پر اپنی آواز بلند کرنی چاہیے، دلتوں کے خلاف ظلم، خواتین کے خلاف تعصب اور عیسائیوں کے قتل عام جیسے سانحات کو حل کرنے کے لئے آواز بلند کرنی چاہیے۔وہ لوگ بھی مسلم لوگوں کے حق و احتجاج کی آواز میں آواز ملا دیں گے۔جس سے قومی دھارے میں آجائے گے پھر وقتی بیداری نہ رہ کر دائمی بیداری بن جائے گی۔

مسلمان وقتی طور پر بیدار ہو کر ملک کے مفادات کے تحفظ کے لئے اپنی سیاسی قیادت کھڑا کرنا چاہتا ہے۔مسلمانوں کو فرقہ پرستی کا حقیقی مفہوم سمجھنا ہوگا' فرقہ پرستی کا حقیقی مفہوم یہ ہوتا ہے کہ اپنی کمیونٹی' معاشرے کے مفادات کا تحفظ کرنے کے ساتھ ساتھ دیگر کے مفادات کی مخالفت کی جائے۔ یہ احساس فرقہ پرستوں نے مسلمانوں کو دلایا ہے یا یہ دماغ میں یہ بات بٹھا دی ہے کہ اگر ملک کا مسلمان اپنی قیادت کے علاوہ کسی اور مذہب یا فرقہ کی قیادت والی پارٹی کے پیچھے چلتا ہے تو وہ سیکولر ہے لیکن اگر مسلمان اپنی قیادت قائم کرنے یا اس کی حمایت کرنے کی کوشش کرے تو وہ فرقہ پرست ہے! اس کا یہ مطلب نکلتا ہے کہ ملک کا مسلمان غیروں کی قیادت کو اپنا سکتا ہے اور ان کے پیچھے چل سکتا ہے لیکن برادران وطن مسلم قیادت کو نہ تو اپنا سکتے ہیں اور نہ ہی ان کے پیچھے چل سکتے ہیں۔اس وقت ملک میں رائج سیکولر ازم کا مجموعی طور پر یہی مفہوم نکلتا ہے۔ یہاں اور ایک بات کی وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ عملی میدان میں لفظ ''سیاست'' اور ''قیادت'' میں بہت بڑا فرق ہے! بھلے ہی لغوی طور پر لفظِ سیاست کے معنی قیادت کرنا ہو لیکن عملی طور پر سیاست کے معنیٰ کچھ اور ہیں۔ دیکھا جائے تو یہ بیوقوف بنانے کا ایک فن ہے۔ملک کی بیشتر سیاسی پارٹیاں قیادت صرف اپنی کمیونٹی کی ہی کرتی ہیں جو کہ ان کا بنیادی ووٹ بینک ہوتے ہیں جب کہ وہ دوسروں کے ساتھ یا دوسروں کے مسائل پر صرف سیاست کا کھیل کھیلتی ہیں۔اس گندی اور استحصال پر مبنی سیاست میں تمام پارٹیاں شامل ہیں۔تمام کی تمام پارٹیاں مسلمانوں کے ساتھ اور ان کے مسائل پر صرف اور صرف سیاست کرتی ہیں۔ اگر مسلم لیڈر شپ کو اصل دھارے اور قومی سیاست میں آگے آنے کا موقع دیا گیا تو سیکولر ازم کی آڑ میں استحصال کی یہ روایت ٹوٹ سکتی ہے ورنہ مسلمانوں کے سیاسی حالات میں دور دور تک کسی تبدیلی کا امکان نظر نہیں آتا ہے۔اگر مسلمانوں نے دور اندیشی سے کام لے کر اپنی سیاسی قیادت کا ساتھ دے کر انھیں مضبوط نہیں کیا تو یہی مجبوری ان کا مقدر بنی رہے گی کہ وہ نام نہاد سیاسی پارٹیوں کو بدل بدل کر آزماتے رہیں اور مناتے رہیں غیروں کی جیت کا جشن۔

9529077971